الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ضلع باغ آزاد کشمیر میں ایک مولوی نے جمعۃ المبارک کے موقع پر بھرے مجمع میں بر سر منبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مہربان اور شفیق چچا جناب ابو طالب کے خلاف زبان درازی کی اور ذور شور کیساتھ یہ بیان کیا کہ انکی موت کفر کی حالت میں ہوئی اور جو لوگ حضرت ابو طالب کا ذکر محبت سے کرتے ہیں اور انکی خدمات اور ایمان کا بیان کرتے ہیں، مولوی مذکور نے عوام کو انکے خلاف بھی بھڑکانے کی کوشش کی۔ اس بیان کے بعد عام مسلمانوں میں شدید غم و غصہ پایا جاتا ہے۔ اور خصوصاً سادات کرام کی سخت دل آزاری ہوئی ہے۔ اصول شریعت کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں کہ مولوی مذکور کا یہ عمل کیسا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

حامداو مصلیاً

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اس بات پر تمام مسالک اسلامیہ کا اتفاق ہے کہ جناب حضرت ابو طالب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے شفیق ترین چچا اور آپ کے محسن تھے اور آپ کی ساری زندگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و نصرت میں گزری ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن سے اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ اور اس بات میں بھی کوئی شک نہیں کہ جناب حضرت ابو طالب نے پوری زندگی اسلام اور بانی اسلام کے نفع اور خدمت میں گزاری ہے اور آپ ساری زندگی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کی خاطر کفار مکہ اور ان کے مظالم کے سامنے ڈھال بن کر کھڑے رہے اور قولاً و فعلاً آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کیا۔ یہی وجہ ہے کہ جب تک آپ بقید حیات رہے کفار مکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کھلے عام ایذاء دینے سے گریزاں رہے۔ اور جب آپ کا انتقال ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر مظالم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی جدائی کے غم کو محسوس فرمایا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: "لما مات عبد المطلب اوصیٰ بمحمد الی ابی طالب فکفله و احسن تربیته و سافر به صحبته الی الشام ۔۔۔ الخ"۔ جب حضرت عبد المطلب کا انتقال ہوا تو انہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ابو طالب کو وصیت کی تو ابو طالب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت کی اور بہترین تربیت کی اور ان کی صحبت میں شام کا سفر کیا جب کہ ابھی وہ جوان تھے۔ اور جب حضور

ﷺ نے اعلان نبوت کیا تو یہ ان کی نصرت میں کھڑے ہو گئے اور ان کے دشمنوں کو ان سے دور کیا اور ان کی شان میں کئی نعتیں لکھیں۔(الاصابۃ فی تمییز الصحابہ جلد6 ص156)

حضرت عبد اللہ بن جعفر سے مروی ہے کہ جب جناب ابو طالب کا انتقال ہوا تو کفار مکہ کے ایک احمق شخص کا ٹاکرہ آپ ﷺ سے ہو گیا اس نے آپ ﷺ کے سر انور پر مٹی ڈال دی۔ حضور ﷺ اپنے کاشانہ اقدس میں داخل ہوئے اس حال میں کہ آپ کے سر انور پر مٹی تھی آپ کی ایک لخت جگر آئیں اور روتے ہوئے آپ کے سر اقدس سے مٹی کو صاف کرنے لگیں تو حضور ﷺ نے انہیں چپ کرواتے ہوئے فرمایا: مت رو بیٹی، اللہ تعالیٰ تمھارے بابا کا محافظ ہے۔ پھر حضور ﷺ ے فرمایا: ما نالت قریش منی شیئا اکرهه حتی مات ابو طالب" قریش مکہ سے اس قسم کی ناپسندیدہ حرکت میں نے وصال ابو طالب سے قبل نہ دیکھی تھی" (تاریخ طبری 2/344، سبل الھدی والرشاد جلد اوّل 43)

امام طبرانی، امام ابو نعیم اصفہانی اور دیگر محدثین حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: لما مات ابو طالب تجهموارسول الله فقال یا عم ما اسر ع ما وجدت فقدک"

جب حضرت ابو طالب کا انتقال ہوا تو کفار مکہ حضور ﷺ کے ساتھ سختی اور بد کلامی پر اتر آئے تو حضور ﷺ اپنے چچا کو یاد کر کے کہنے لگے: چچا جان میں نے آپ کی جدائی کو کس قدر جلدی محسوس کیا ہے۔"(حلیۃ الاولیاء لابی نعیم جلد 8 ص308 سبل الھدیٰ والرشاد: 435/1)

امام بیہقی حضرت عروہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ما زالت قریش کاعین حتیٰ مات ابو طالب" جناب ابو طالب کے ہوتے ہوئے قریش مکہ بزدل بنے رہے (یعنی حضور ﷺ کو ایذاء رسانی سے باز رہے)"(دلائل النبوۃ للبیھقی 2/349، المستدرک للحاکم،)

ابن سعد حضرت حکیم بن حزام اور ثعلبہ بن صعیر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ان دونوں نے فرمایا: لما توفی ابو طالب و خدیجۃاجتمع علی رسول الله مصیبتان فلزم بیته واقل الخروج و نالت قریش منه ما لم تکن تنال ولا تطمع فیه:" جب حضرت سیدہ خدیجہ اور جناب ابو طالب کا انتقال ہو گیا تو حضور ﷺ کے لئے دو مصیبتیں جمع ہو گئیں

آپ اکثر وقت گھر میں ہی گزارتے اور باہر کم ہی نکلتے تھے آپ کو کفار قریش سے ایسی اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا کہ جن کی جرأت وہ جناب ابو طالب کی زندگی میں نہ کر سکے۔"(سبل الھدیٰ الرشاد 1 / 435)

امام دار قطنی "الافراد" میں عمرو بن عثمان بن عفان سے روایت کرتے ہیں وہ اپنے والد حضرت عثمان غنی سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:اکثر ماںالت قریش من النبی ﷺ بعد وفاۃ ابی طالب۔جناب ابو طالب کے انتقال کے بعد حضور ﷺ نے قریش مکہ سے بہت سی تکالیف برداشت کی"(سبل الہدی والرشاد فی سیرت خیر العباد، جلد اول، صفحہ 437)

جناب ابو طالب بنو ہاشم کے سردار، کعبۃ اللہ کے متولی اور انتہائی وجیہ انسان تھے، اور آپ نے حضور ﷺ کی کفالت بھی کی تھی اور حضور ﷺ کے ساتھ آپ کی محبت کفار مکہ سے ڈھکی چھپی نہ تھی اس بدولت وہ براہ راست حضور ﷺ پر حملہ آور ہونے کی جرأت نہ کرتے تھے۔ جب حضور ﷺ نے تبلیغ دین کا کام تیز کیا تو کفار مکہ نے انتہائی قدم اٹھاتے ہوئے جناب ابو طالب سے حضور ﷺ کو اپنے حوالے کرنے کا مطالبہ کر دیا تاکہ حضور ﷺ کو قتل کر سکیں۔اس پر جناب ابو طالب نے جواب دیا۔

ونسلمه حتی نصرع حوله   ونذهل عن ابنائناوحلائل

ان کو تمہارے حوالے تب کریں گے جب ان کے ارد گرد ہماری لاشیں پڑی ہوں اور ہم اپنے بیوی بچوں کو بھول گئے ہوں۔

پھر حضور ﷺ سے عرض کی،

والله لن یصلوا الیک بجمعهم   حتی اوسدفی التراب دفینا

اللہ کی قسم وہ کفار اپنے لاؤ لشکر سمیت ہر گز آپ تک نہ پہنچ پائیں گے جب تک کہ ہم مٹی میں دفن نہ ہو جائیں۔

فاصدع بامرک ماعلیک غضاضة   وابشروقربذالک عیوناً

آپ اپنا تبلیغ کا کام کیے جائیں آپ پر کسی قسم کی تنگی نہیں اور آپ اپنے کام سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا رکھیں۔(دیوان ابو طالب ص 88)

کفار مکہ نے حضرت ابو طالب کو حضور ﷺ سے جدا کرنے کی ہر ممکنہ سعی کی لیکن جب ناکامی ہوئی تو انہوں نے پورے خاندان بنی ہاشم سے سماجی بائیکاٹ کر لیا اور بنو ہاشم شعب ابی طالب میں محصور ہو گئے۔ چنانچہ کفار خام خیالی کا شکار ہو کر کہنے لگے کہ اب ابو طالب اور ان کا خاندان محمد ﷺ کو ہمارے حوالے کر دیں گے جس پر جناب ابو طالب نے مشرکین مکہ کو جواب دیا:

كذبتم وبيت الله نبزى محمداً ولمانطاعن حوله و نناضل

اللہ کی قسم! تم نے جھوٹ بولا ہے کہ ہم محمد کی وجہ سے مغلوب ہو جائیں گے حالانکہ ابھی تو ہم نے ان کے ارد گرد نہ نیزہ چلائے اور نہ تیر ۔"(دیوان ابی طالب ص17)

حضرت ابو طالب اپنی سگی اولاد سے بڑھ کر حضور ﷺ سے محبت کرتے تھے اور اس بات کا اقرار کفار مکہ کو بھی تھا۔

خود جناب ابو طالب اس کا اظہار کرتے ہیں:

لعمری لقد کلفت وجداً باحمداً واخوته دأب المحب المواصل

مجھے اپنی زندگی کی قسم! میں احمد مصطفیٰ ﷺ اور ان کے بھائیوں کی محبت میں اس طرح اسیر ہوں جس طرح دائمی مریض عشق کسی کی محبت میں گرفتار ہوتا ہے۔(دیوان ابو طالب ص20)

جناب ابو طالب نے پوری زندگی کبھی بھی شرک کا ارتکاب کیا اور نہ ہی کبھی حضور ﷺ کی مخالفت و دشمنی کی اور نہ ہی کبھی حضور ﷺ سے مزاحم ہوئے اور نہ ہی آپ نے کبھی حضور ﷺ کو تبلیغ دین کے کام سے روکا بلکہ آپ حضور ﷺ کو سچا نبی مانتے تھے یہی وجہ ہے کہ آپ کی زوجہ حضرت سیدہ فاطمہ بنت اسد اور آپ کی اولاد نے جب اسلام قبول کیا تو آپ نے ان پر نہ سختی فرمائی اور نہ ہی انکار فرمایا بلکہ حضرت علی سے فرمایا: الزم ابن عمک "اپنے چچازاد کا ساتھ کبھی نہ چھوڑنا اور اپنے بیٹے جناب جعفر بن ابی طالب سے فرمایا: قبل جناح ابن عمک "اپنے چچازاد کی بانہوں سے چمٹ جاؤ(الاصابہ فی تمیز الصحابہ لابن حجر العسقلانی، جلد5 ص115) اگر آپ کے دل میں اسلام اور بانی اسلام کی محبت نہ ہوتی اور آپ اسلام کے سوا کسی اور دین پر ہوتے تو اپنے اہل و عیال کے اسلام لانے پر ضرور زجر و توبیخ کرتے۔ آپ نے اپنے کلام میں جابجا اللہ کی توحید اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا اقرار کیا۔ حمد الٰہی بیان کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں:

مليك الناس ليس له شريك - الوهاب والمبدء المعيد - ومن تحت السماء له بحق - ومن فوق السماء له عبيد

وہ تمام لوگوں کا مالک ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے وہی بہت زیادہ عطا کرنے والا اولاً پیدا کرنے والا اور اپنی بارگاہ میں لوٹانے والا ہے۔ جو آسمان کے نیچے ہے سب اسی کا حق ہے۔ اور جو آسمانوں کے اوپر ہے اسی کی بارگاہ میں سر خم ہے۔ (دیوان ابو طالب ص 37)

ایک مقام پر آپ لوگوں کو نصیحت کرتے ہیں: فلا تجعلولله نداًواسلموا وان طريق الحق ليس بمظلم

اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور اسلام لے آؤ بے شک حق کا راستہ تاریک نہیں ہوتا۔ (دیوان ابی طالب ص 90)

بارگاہ الٰہی میں یوں التجیٰ کرتے ہیں: یاشاهد الخلق علی فاشهد انی علی دین النبی احمد

من ضل فی الدین فانی مهتدی یارب فاجعل فی الجنان مقعدی

اے مخلوق کے نگہبان تو میرا گواہ ہو جا بے شک میں نبی احمد کے دین پر ہوں۔ جو شخص دین میں گمراہ ہوا سو ہوا میں ہدایت پر ہوں پس میرا ٹھکانہ جنت بنادے۔ (دیوان ابو طالب ص 41)

ایک مقام پر لکھتے ہیں: اتعلم ملك الجش ان محمداً نبی کموسیٰ والمسیح ابن مریم

کیا حبشہ کا بادشاہ نہیں جانتا کہ بے شک محمد ﷺ حضرت موسیٰ اور عیسیٰ بن مریم کی طرح نبی ہیں۔ (دیوان ابی طالب ص 90)

ایک مقام پر لکھتے ہیں: الم یعلموا انا وجدنا محمداً نبیاً کموسیٰ خط فی اول الکتب

کیا وہ نہیں جانتے کہ ہم نے محمد ﷺ کو حضرت موسیٰ کی طرح نبی پایا ہے کے جن کا تذکرہ کتب سابقہ میں موجود ہے۔

ایک جگہ لکھتے ہیں: ولقد علمت بان دین محمد من خیر ادیان البریة دینا

البتہ تحقیق میں جانتا ہوں کہ بے شک محمد ﷺ کا دین پوری کائنات کے ادیان میں سب سے بہتر ہے۔ (دیوان ابی طالب ص 114)

ایک مقام پر آپ فرماتے ہیں: انت الرسول رسول الله نعلمه علیك نزل من ذی العزة الکتب

ہم یقین کرتے ہیں کہ آپ رسول ہیں اللہ کے رسول۔ اور آپ پر رب العزت کی طرف سے کتاب نازل کی گئی۔ (دیوان ابو طالب ص 21)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں: نبی اتاہ الوحی من عند ربہ ومن قال لا یقرع بھا سن نادم

محمد ﷺ نبی ہیں ان کے رب کی طرف سے ان کے پاس وحی آتی ہے جس نے ان کا انکار کیا وہ نادم و شرمندہ رہے گا۔ (دیوان ابو طالب ص 24)

کبھی فرماتے ہیں: فمن مثلہ فی الناس ای مومل اذا قاسہ الحکام عند التفاضل (دیوان ابو طالب ص 51)

لوگوں میں ان (محمد ﷺ) جیسا کون ہے جس سے امیدیں لگائی جا سکتی ہوں، فیصلہ کرنے والوں کو عظمت و فضائل میں ان جیسا کوئی نظر نہ آیا۔

حالات کے تقاضے پر آپ نے ابتدائے اسلام میں بڑی حکمت و دانش اور تدبر و بصیرت کیساتھ حضور ﷺ کا دفاع کیا اور حضور ﷺ کی حفاظت کے پیش نظر اپنی قلبی تصدیق و ایمان کا اظہار نہ فرمایا مگر ہر مشکل موقع پر آپ ﷺ کا بھرپور ساتھ دیا۔ ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے جو کہ یقیناً جناب ابو طالب کو حاصل تھی۔ اس کا اظہار نبی پاک ﷺ کی حفاظت کے پیش نظر نہ فرمانا اسی طرح ہے جیسا کہ قرآن مجید میں بیان ہوا کہ ایک شخص مشکل وقت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حمایت میں کھڑا ہو گیا جس نے اپنا ایمان چھپا رکھا تھا۔ قرآن مجید نے اس کو رجل مومن ہی قرار دیا ہے: قال رجل مؤمن من ال فرعون الآیة۔ عام لوگوں کی نظر میں یہ شخص مومن نہیں تھا لیکن اس کی قلبی تصدیق اور جناب موسیٰ علیہ السلام کا دفاع کرنے کے باعث اسے مومن کہا گیا۔ بالکل اسی طرح جناب ابو طالب نے رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کے پیش نظر اظہار ایمان نہ کیا تھا اس کے باوجود کہ ان کا ایمان موجود تھا۔

حضرت شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ اور ہزاروں علماء کے استاد شیخ الحدیث والتفسیر علامہ محمد اشرف سیالوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت امام شہاب الدین خفاجی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف نسیم الریاض شرح شفاء شریف کے حوالہ سے بیان فرماتے ہیں۔

واعلم ان ابا طالب کانت محبة الرسول اللہ ﷺ ومعرفتہ بانہ رسول اللہ و تصدیقہ فی قلبہ محققة الی آخرہ....

اس طویل عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ بے شک جناب ابو طالب کو رسول اللہ ﷺ کی محبت معرفت اور آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کی قلبی تصدیق حاصل تھی مگر اس کو ظاہر نہ کرنے میں ایک عظیم حکمت یہ تھی کہ آپ ﷺ جناب ابو طالب کی پناہ اور حفاظت میں تھے

جس کی وجہ سے کسی بھی دشمن کو آپ ﷺ پر حملہ کرنے کی جرات نہیں ہوتی تھی اگر آپ اس وقت ہی اسلام کا اظہار فرمادیتے تو حفاظت کا یہ انتظام نہیں ہوسکتا تھا یہی وجہ ہے کہ جب تک جناب ابو طالب زندہ رہے ہجرت کا حکم نہیں آیا۔ اور جیسے ہی جناب ابو طالب کی وفات ہوئی تو اتنی مشکلات پیدا ہوگئیں کہ آپ ﷺ کے اہل بیت اور مسلمانوں کو مدینہ شریف کی طرف ہجرت کرنی پڑی اس نکتہ کو بیان کرنے کے بعد امام خفاجی فرماتے ہیں "هذا ماتفطن له بعض العلماء" کہ یہی وہ نکتہ ہے جسے بعض علماء نے بھانپ لیا" (انوار قمریہ صفحہ 120، گلشن توحید ورسالت، جلد اول صفحہ 127 تا 167 بحوالہ نسیم الریاض جلد 03، صفحہ 395)

جناب حضرت ابو طالب سے اظہار ایمان اور حضور ﷺ کی نبوت ورسالت اور اللہ کی توحید کی گواہی بھی ثابت ہے۔ چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مروی روایت ہے۔ جسے ابن ہشام اور امام بیہقی نے بھی روایت کیا ہے: "فلماتقارب من ابی طالب الموت قال :نظرالعباس اليه يحرک شفيته قال فاصغیٰ اليه باذنه قال فقال يا ابن اخی والله لقد قال اخی الکلمة التی امرته ان يقولها قال فقال رسول الله لم اسمع ۔(دلائل النبوۃ للبیہقی، السیرۃ النبویہ لابن ھشام، الروض الانف للسہیلی جلد 2 ص 223)

جب حضرت ابو طالب کی موت کا وقت قریب آیا تو حضرت عباس بن عبد المطلب نے انہیں دیکھا کہ اان کے ہونٹ ہل رہے ہیں فرماتے ہیں کہ انہوں نے انکے ہونٹوں کے ساتھ کان لگائے اور پھر رسول اللہ ﷺ سے فرمایا: اے میرے بھتیجے اللہ کی قسم میرے بھائی نے وہ کلمہ پڑھ لیا ہے جس کا تو نے اسے حکم دیا تھا۔ پس حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں وہ کلمہ نہ سن سکا۔

رسول اللہ ﷺ کا آپ سے بے پناہ محبت فرمانا مسلمہ امر ہے اور یہ بھی آپ کے مؤمن اور ناجی ہونے کی دلیل ہے کیونکہ قرآن مجید میں ارشاد ہے: حريص عليكم بالمؤمنين "میرا نبی تمہارے ایمان کی بدولت تم سے شدید محبت کرتا ہے دوسرے مقام پر فرمایا: لا تجد قوما يؤمنون بالله واليوم الآخر يوادون من حاد الله ورسوله لو كانوا اٰباء هم او ابناء هم او اخوانهم او عشيرتهم ۔(المجادلة) تم نہ پاؤ گے ایسے لوگوں کو جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہوں پھر محبت کریں ایسوں سے جو اللہ اور اس کے رسول کے مخالف ہوں۔ اگرچہ انکے اپنے باپ ہوں یا بیٹے ہوں یا بھائی ہوں یا قریبی رشتہ دار ہوں۔ اس آیۃ کریمہ سے عام مؤمن کامل کی شان کا پتہ چلتاہے کہ وہ کسی مخالف خدا اور رسول کسی کافر سے مودت ومحبت کا رشتہ نہیں رکھ سکتا اگرچہ وہ کافر ومخالف خدا و رسول شخص اس کا سگا والد ہی کیوں نہ ہو تو پھر بھلا خود رسول خدا کسی کافر شخص سے کیونکر ایسی والہانہ محبت کرسکتے ہیں کہ اس کے مرنے کے سالوں بعد بھی اس کے لئے دعا کرتے ہیں: لله در ابی طالب لو كان حيا لقرت عيناه" اللہ ابو طالب کا بھلا کرے اگر وہ آج زندہ ہوتے تو

ان کی آنکھیں (معجزہ دیکھ کر) ٹھنڈی ہو جاتیں۔ (دلائل النبوۃ للبیھقی جلد 6 ص 313 الرقم 2386، کنز العمال الرقم 23549، سبل الھدٰی والرشاد جلد 9 ص 441، خصائص کبریٰ للسیوطی)

علاوہ ازیں ایمان ابو طالب پر ایسے بے شمار دلائل و قرائن و شواہد موجود ہیں جن کے باعث علماء اسلام کی ایک بڑی تعداد نے ان کی نجات و ایمان کا قول کیا اور متعدد علماء نے ان کے ایمان اور نجات پر مستقل رسائل و کتب بھی تصنیف فرمائے۔ شاہ عبد الحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ: "**صاحب جامع الاصول آوردہ کہ زعم اهلبیت آنست کہ ابو طالب مسلمان از دنیا رفتہ**"۔ جامع الاصول کے مصنف (علامہ امام ابن الاثیر الجزری) نے لکھا ہے کہ اہلبیت کا خیال یہ ہے کہ ابو طالب دنیا سے مسلمان گئے ہیں۔ (مدارج النبوۃ جلد 2 ص 490)

علامہ برخوردار ملتانی لکھتے ہیں: "**کان یحب النبی ﷺ و کل من کان محب النبی فھو مؤمن الخ**"۔ یعنی ابو طالب نبی علیہ السلام سے محبت کرتے تھے اور جو نبی سے محبت کرے وہ مومن ہوتا ہے لہٰذا ابو طالب مومن تھے۔ اور یہ صریح حق ہے جس کا اقرار سید محمد بن رسول البرزنجی نے بھی کیا ہے اور اس مسئلہ میں انہوں نے ایک رسالہ تصنیف کیا ہے اور یونہی امام احمد بن زینی دحلان اور یونہی امام شعرانی اور امام قرطبی اور کثیر اولیاء کرام کا بھی یہی مسلک ہے (ایمان ابو طالب کا) اور جنہوں نے اس بات کا سب سے پہلے اعتراف کیا ہے وہ تمام اہلبیت ہیں"۔ (حاشیہ برخوردار علی النبراس ص 528)

مفتی حرمین علامہ زینی دحلان مکی (جو کہ امام اہل سنت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی کے استاد ہیں) فرماتے ہیں کہ: "اس سے بھی بڑھ کر ایمان ابو طالب کا معاملہ یہ ہے کہ امام قرطبی، امام سبکی، امام شعرانی، امام سحیمی نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو طالب کو (والدین رسول کی طرح) دوبارہ زندہ کیا اور انہوں نے پھر کلمہ پڑھا"۔ (اسنیٰ المطالب فی نجات ابی طالب ص 41)

(بعض محدثین وہ روایات بھی لے کر آئے ہیں کہ جن میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے والدین کی طرح حضرت ابو طالب کو بھی بعد از وصال زندہ فرما کر دوبارہ کلمہ پڑھایا۔)

علاوہ ازیں شیخ الاسلام خواجہ قمر الدین سیالوی، غزالی زماں سید احمد سعید کاظمی، علامہ خیر الدین خیوری دہلوی، امام محمد بن عبد الرسول برزنجی، ملک المدرسین علامہ عطا محمد بندیالوی، صاحب کتاب سبع سنابل میر عبد الوحد بلگرامی، شیخ الحدیث منشاء تابش قصوری، استاد

العلماء مولانا اشرف قریشی دیوبندی، ڈاکٹر محمد طاہر القادری، پیر سید نصیر الدین نصیر اور بڑی تعداد میں علماءِ اسلام کا رجحان ایمانِ ابو طالب کی طرف ہے۔

بطون کتب میں بلاشبہ ایسی روایات موجود ہیں جن سے عدم ایمان ابی طالب پر استدلال کیا جاتا ہے۔ تاہم یہ بات پیش نظر رہے کہ کسی شخص کے کفر کو ثابت کرنے کے لئے دلائل قطعیہ یقینیہ غیر محتملہ کا ہونا ضروری ہے جبکہ کسی کے ایمان کے اثبات کے لئے کمزور محتمل دلیل بھی اسے مسلمان اور مؤمن کہنے کے لئے کافی ہوتی ہے بدلیل الاسلام یعلوولا یعلیٰ علیہ۔(القرآن)

ایمان ابو طالب پر قرائن و شواہدِ کثیرہ موجود ہیں جو کہ ان کی بابت قول ایمان کے لئے کافی ووافی ہیں۔ صاحب در مختار لکھتے ہیں: "اگر کسی کا اسلام ضعیف روایت سے بھی ثابت ہو تو اس کو مسلمان کہا جائے گا"۔ اور ویسے بھی عند الاحناف کسی شخص کے کفر کی ننانوے وجوہ ہوں اور ایمان ایک وجہ سے ثابت ہو تا ہو تو وہ مومن ہی کہلائے گا۔ جبکہ جن روایات و دلائل سے حضرت ابو طالب کے عدم ایمان سے استدلال کیا جاتا ہے وہ محض ظنیہ، محتملہ، غیر معتبرہ اور غیر یقینہ ہیں اور اس طرح کی روایات و دلائل سے کسی کی تکفیر نہیں کی جاسکتی۔ بالخصوص جب کہ وہ شخص اسلام اور بانی اسلام کا محسن، دین کا خیر خواہ اور جد السادات ہو۔ غور کیجئے ایک طرف بخاری شریف کی روایت میں جناب ابو طالب کے عدم ایمان کا بیان ہے تو دوسری طرف ان کے بارے میں واضح ارشاد نبوی ﷺ موجود ہے: "لعلہ تنفعہ شفاعتی یوم القیامۃ"۔ امید ہے قیامت کے دن میری شفاعت انہیں نفع پہنچائے گی۔ (بخاری رقم 3885 ورقم 6564، صحیح مسلم رقم 513)۔ اور ایک اور روایت میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا: "یا رسول اللہ ما ترجوا لابی طالب؟ قال: کل الخیر ارجو من ربی"۔ ابو طالب کے بارے میں آپ کیا امید رکھتے ہیں؟ فرمایا میں اپنے رب سے ہر خیر کی امید رکھتا ہوں۔ (مختصر تاریخ دمشق ص 373 جلد 8، تاریخ دمشق لابن عساکر، البیان والتعریف لدمشقی جلد 2 ص، طبقات ابن سعد)۔ اب اگر عدم ایمان کی روایت کو ترجیح دی جائے تو نفع شفاعت والی مذکورہ روایت قرآن کی نص صریح سے ٹکرائے گی: "فما تنفعہم شفاعۃ الشافعین"۔ پس ان کفار کو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت نفع نہیں دے گی۔ (مدثر: 48)۔ اور پھر قیامت والے دن کسی کافر کے لئے خیر کی امید رکھنے کا کیا مطلب؟ اسی طرح عدم ایمان ابی طالب پر پیش کی جانے والی دیگر روایات کا بھی یہی حال ہے مثلاً سورۃ توبہ کی آیت نمبر 113 کا شان نزول بیان کرتے ہوئے کہا گیا کہ یہ آیت جناب ابو طالب کے بارے میں نازل ہوئی۔ جب کہ بالاتفاق سورۃ توبہ مدینہ شریف میں نازل ہوئی جب کہ جناب ابو طالب کا وصال کئی سال قبل ہو چکا تھا پھر سال ہا سال کے بعد

استغفار سے منع کرنے کا کیا معنیٰ؟ یہی وجہ ہے کہ شارح بخاری حافظ ابن حجر عسقلانی، محدث امام قسطلانی اور دیگر شارحین بخاری نے دیگر روایات کے پیش نظر اس بات کی تصریح کی ہے کہ یہ آیت جناب ابو طالب کے علاوہ اور لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ انصاف کیجئے کہ جس آیت کے شان نزول کو سامنے رکھتے ہوئے تکفیرِ ابو طالب کا ڈھنڈورہ پیٹا جاتا ہے وہ محتمل ہے بھلا اس طرح کی محتمل روایات سے کسی محبوب رسول ﷺ اور ناصر نبی ﷺ اور جد الائمۃ اہلبیت کا کفر کیونکر ثابت کیا جاسکتا ہے؟

جن علماء نے جناب حضرت ابو طالب کے عدم ایمان پر استدلال کیا ہے تو انہوں نے ان روایات و دلائل کو قطعیہ یقینہ جانا حالانکہ یہ خلاف حقیقت ہے۔ کتب صحاح میں کسی روایت کا آجانا ہی کافی نہیں ہوتا جب تک کہ تکفیر کے دیگر اصولوں کی اس کو تائید حاصل نہ ہو۔

علاوہ ازیں روایات و دلائل کا بطون کتب میں ہونا الگ بات ہے اور ان کو عامۃ الناس کے سامنے منبروں پر بیان کرنا الگ معاملہ۔

خود اہل سنت و جماعت کی معتبر کتب احادیث و سیرت و تفاسیر کے بطون میں ایسی بے شمار روایات پائی جاتی ہیں کہ جن کا منابر اور عوامی اجتماعات میں عمومی طور پر بیان کرنا شدید نزاع و فتنہ انگیزی کا سبب بن سکتا ہے۔ بالخصوص مشاجرات صحابہ کے باب میں ایسی ایسی روایات اہلسنت کی کتب میں موجود ہیں کہ جن کا سادہ ترجمہ بھی عوام کے سامنے خطرناک ہے چہ جائے کہ ان کو متدل بنا کر جمعہ کا خطبہ دیا جائے۔

بطون کتب میں عدم ایمان کی روایاتِ ظنیہ، محتملہ کے موجود ہونے اور بالفرض خطیب مذکور کے نزدیک عدم ایمان ابی طالب کے مذہب مختار ہونے کے باوجود خطیب مذکور کا مبینہ اقدام قابل مذمت ہے اور بالخصوص ان ملکی قوانین کی موجودگی میں کہ جن کے نفاذ کا مقصود ملک کو انتشار و افتراق اور فرقہ واریت سے بچانا ہے۔ خطیب مذکور نے جان بوجھ کر ایک غیر ضروری اور انتشار کا باعث بننے والی گفتگو بر سر منبر کر کے بین المسلمین افتراق و انتشار کا بیج بویا ہے جو کہ قابل مواخذہ امر ہے۔

اگر بطون کتب میں موجود مواد و ابحاث کو یوں برملا منبروں پر بیان کرنے کی اجازت دے دی جائے تو یہ اقدام ملک کو خانہ جنگی میں دھکیلنے کے لئے کافی ہوگا۔ خطیب مذکور کے اقدام کی حمایت کرنے والے حضرات ذرا سوچیں کہ ملک میں شیعہ کمیونٹی بھی بڑی تعداد میں آباد ہے۔

اور ان کے مذہب و مسلک کی معتبر کتب احادیث و تواریخ و تفاسیر و فقہ میں معتبر اسلامی شخصیات بالخصوص بعض اصحاب رسول کی تکفیر و تفسیق و تضلیل کی بابت اسی طرح کی روایات موجود ہیں جس طرح کی روایات بطون کتب اہلسنت میں حضرت ابو طالب کے خلاف موجود ہیں اور ان شخصیات کی تضلیل و تکفیر ان کا مذہب مختار بھی ہے تو اگر کل کلاں کوئی شیعہ خطیب اپنی مجالس میں یوں سر عام عوامی اجتماع میں اپنا "مذہب مختار" بیان کر ڈالے تو کیا اس کی اجازت دے کر ایسے امر کو برداشت کیا جا سکتا ہے ؟

"یونہی ملک کی آبادی کا 80 فیصد سے زائد بریلوی مکتبہ فکر سے تعلق رکھتا ہے۔ اور بریلوی مسلک کے علماء کے فتاوٰی دربار تکفیر اکابرین دیوبند اور روافض بریلوی علماء کی کتب و فتاوٰی کے بطون میں موجود ہیں اور ان کا مذہب مختار بھی بلکہ ان کا فتوٰی تو یہاں تک ہے کہ "من شک فی کفرہ و عذابہ فقد کفر"۔(فتاوٰی رضویہ، حسام الحرمین) کیا خطیب مذکور کے حامی لوگ یوں بر سر عام منبروں پر علماء اہلسنت کو اپنا مذہب مختار بیان کرنے کی اجازت دینا پسند فرمائیں گے ؟

یونہی دیوبندی مکتبہ فکر کے علماء کے فتاوٰی و بطون کتب میں شیعہ اور اہلسنت بریلوی مکتبہ فکر کے اکابرین کی بابت صراحتاً شرک اور تکفیر کے فتاوٰی موجود ہیں کیا ان کو بھی یوں اپنے مذہب مختار اور نظریے کو علی الاعلان منبر پر بیان کرنے کی اجازت دی جا سکتی ہے ؟

عدم ایمان ابی طالب کا نظریہ رکھنے اور روایات کے بطون کتب میں موجود ہونے کے باوجود حضرت ابو طالب کی حضور ﷺ سے محبت و وفا اور ان کا جد السادات ہونے کے سبب اہل علم نے اس مسئلہ کو بیان کرنے اور غیر ضروری اس کا ذکر کرنے سے منع کیا ہے اور ہمیشہ حضرت ابو طالب کا نام عزت اور ادب سے لینے کو ہی درست اور بہتر سمجھا ہے۔ چنانچہ عظیم مفسر قرآن امام آلوسی بغدادی حنفی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر روح المعانی میں لکھتے ہیں۔ثم انه علی القول بعدم اسلامه لا ینبغی سبه والتکلم فيه بفضول الکلام فان ذٰلک مما یتاذی به العلویون بل لا یبعد ان یکون مما یتاذی به النبی الذی نطقت الآیة بناءً علی ہذہ الروایات بحبه اياه والاحتياط لا یخفی علی ذی فهم۔"جو لوگ آپ کے ایمان کے قائل نہیں ہیں ان کے لیے بھی یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ حضرت ابو طالب کے لئے اپنی زبانوں پر برے الفاظ لے کر آئیں اور خواہ مخواہ اس میں بحث کریں کیونکہ ایسا کرنے سے سیدنا علی کرم اللہ وجہ الکریم کی اولاد کو دکھ پہنچتا ہے اور کچھ بعید نہیں کہ حضور ﷺ کا دل مبارک بھی رنجیدہ ہوتا ہو اور عقل مند آدمی جانتا ہے کہ ایسے نازک مقامات پر احتیاط سے کام لینا چاہیئے۔(روح المعانی جلد:20 سورۃ القصص

:55) دوسرے مقام پر ارشاد فرماتے ہیں:"وسبه عندی مذموم جدا ولا سیما اذا کان فیه ایذاء لبعض العلویین اذ قد ورد لا تؤذوا الاحیاء بسبب الاموات"۔(تفسیر روح المعانی جلد6 ص33)

میرے نزدیک حضرت ابو طالب کو برا بھلا کہنا انتہائی قابل مذمت بات ہے۔ بالخصوص جب کہ ایسا کرنے میں مولا علی کی اولاد کا ایذاء ہے جب کہ حدیث شریف میں وارد ہو چکا ہے کہ زندوں کو مردوں کے سبب سے اذیت نہ دو۔

دیوبندی مکتبہ فکر کے بزرگ اشرف علی تھانوی صاحب فرماتے ہیں:

"میں حضرت ابو طالب کو بلا حضرت کے لفظ کے ذکر نہیں کرتا۔ صرف اس تلبس کی وجہ سے جو ان کو حضور ﷺ سے ہے اور اسی تعلق کے سبب حضور ﷺ کے والدین کے بارے میں گفتگو کرنے کو بہت خطرناک سمجھتا ہوں۔ کیونکہ ایک حدیث شریف میں آیا ہے :لاتسبواالاموات فتوذوا الاحیاء (تم لوگ فوت شدہ لوگوں کو برا نہ کہو اس سے تم زندہ لوگوں کو اذیت پہنچاتے ہو)۔ اور ظاہر ہے کہ کسی کے والدین کو کہنا کہ بد معاش کافر تھے۔ اس سے اولاد کو طبعی رنج ہوتا ہے اسی قاعدہ سے حضور ﷺ کو بھی رنج ہوتا ہو گا۔

اور قرآن شریف میں ہے:ان الذین یؤذون الله و رسوله لعنهم الله فی الدنیا والآخرة" جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو دکھ دیتے ہیں اللہ ان پہ لعنت کرتا ہے دنیا و آخرت میں۔(الکلام الحسن ملفوظات اشرف علی تھانوی 16 مکتبہ اشرفیہ لاہور)

تھانوی صاحب نے بیان القرآن میں سورۃ القصص کی تفسیر میں بھی روح المعانی کے حوالے سے یہی بیان کیا ہے۔

مشہور دیوبندی عالم مفتی تقی عثمانی صاحب کے والد مفتی محمد شفیع دیوبندی صاحب تفسیر معارف القرآن میں لکھتے ہیں:

"ابو طالب کے ایمان و کفر کے بارے میں بے ضرورت گفتگو اور بحث و مباحثہ اور ان کو برا کہنے سے اجتناب کرنا چاہیے کہ اس سے آنحضرت ﷺ کے طبعی ایذاء کا احتمال ہے"۔(معارف القران۔ج،6،ص649)

مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبندی لکھتے ہیں: " بہتر یہی ہے کہ اس قسم کے غیر ضروری اور پر خطر مباحث میں کف لسان کیا جائے"۔(تفسیر عثمانی،ص839)

درسی تفسیر جلالین کے شارح اور دارالعلوم دیوبند کے استاد علامہ محمد جمال بلند شہری امام آلوسی کے حوالے سے نصیحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "خواجہ ابو طالب کے کفر وایمان کے بارے میں بے ضرورت گفتگو اور بحث و مباحثہ سے اجتناب کرنا چاہیے کہ اس سے آنحضرت ﷺ کی طبعی ایذاء کا احتمال ہے۔(جمالین فی شرح جلالین، ص625، جلد چہارم، مطبوعہ زم زم پبلیشرز)

علامہ شبلی نعمانی اپنی مشہور تصنیف سیرۃ النبی ﷺ میں مسئلہ ایمان ابو طالب کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :"ابو طالب نے آنحضرت ﷺ کے لئے جو جان نثاریاں کیں اس سے کون انکار کر سکتا ہے۔ وہ اپنے جگر گوشوں تک کو آپ پر نثار کرتے تھے۔ آپ ﷺ کی محبت میں تمام عرب کو اپنا دشمن بنالیا۔ آپ ﷺ کی خاطر محصور ہوئے، فاقے اٹھائے، شہر سے نکالے گئے، تین تین برس تک آب و دانا بند رہا۔ کیا یہ محبت، یہ جوش، یہ جان نثاریاں سب ضائع ہو جائیں گی؟(سیرۃ النبی ﷺ جلد اول ص169)

مفسر قرآن مفتی احمد یار خان نعیمی لکھتے ہیں: ابو طالب پر لعنت ہر گز جائز نہیں اس لیے کہ ان کے کفر پر مرنے کی کوئی دلیل نہیں بلکہ شیخ عبد الحق نے مدارج میں ان کی ایمان پر موت کی روایت نقل کی ہے نیز روح البیان نے ایک جگہ ان کا بعد موت زندہ ہونا اور ایمان لانا ثابت کیا۔ بفرض محال اگر ان کی موت کفر پر ہوئی بھی ہو تب بھی چونکہ انہوں نے حضور ﷺ کی بہت خدمت کی اور حضور ﷺ کو ان سے بہت محبت تھی اس لیے ان کو برا کہنا حضور ﷺ کی ایذاء کا باعث ہو گا۔ ان کا ذکر خیر ہی سے کرو یا خاموش رہو۔(تفسیر نعیمی جلد دوم، ص،114)۔

علامہ نعیمی شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں: "خیال رہے کہ کوئی شخص ان پر زبان طعن دراز نہ کرے وہ حضور ﷺ کے بڑے ہی خدمت گزار ہیں حضور ﷺ کو اپنے ساتھ لے کر سونے والے حضور ﷺ کی خاطر کفار مکہ کے ہاتھوں بہت ہی دکھ درد سہنے والے ممکن ہے کہ ان پر طعن کرنے سے حضور ﷺ کو دکھ ہو۔ ہم اپنی فکر کریں کہ ہمارا انجام کیا ہو گا"۔(مراۃ شرح مشکوٰۃ جلد 7)

یہاں ایک اور بات قابل غور ہے کہ جس طرح کتابوں کے اندر جناب ابو طالب کے ایمان کے خلاف روایات پائی جاتی ہیں اسی طرح کی روایات کتب حدیث خصوصاً صحاح ستہ میں آپ ﷺ کے والدین کریمین کے ایمان کے خلاف بھی موجود ہیں۔ جنکی بنیاد پر تقریباً ایک ہزار سال تک امت کے اکثر علماء کا یہ نظریہ والدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حوالے سے ایک زبردست تحریک چلائی اور آپ کے والدین کے ایمان اور دفاع میں تقریباً ایک درجن علمی و تحقیقی رسائل تحریر فرمائے جسکی برکت سے الحمد للہ آج دنیا بھر کے مسلمان اس مسئلہ میں امام سیوطی اور انکے ہم خیال علماء کے نظریہ کو اپنائے ہوئے ہیں۔ حضرت مجدد اسلام سید پیر مہر علی شاہ صاحب فرماتے

ہیں: "حضرت پیغمبر خدا ﷺ کے والدین شریفین کے عدم اسلام کا متقدمین کو تو یقین واثق ہے اور متاخرین ابن حجر وغیرہ کا بھی یہی مسلک ہے مگر بعض محققین، اہل فقہ و حدیث نے اسلام ابوین شریفین حضرت رسول الثقلین ﷺ کی احادیث سے ثابت کیا ہے"۔(فتاوی مہریہ صفحہ 11)

شاہ عبد الحق محدث دہلوی فرماتے ہیں: "ولعمری ایں علمیست کہ حق تعالی سبحانہ مخصوص گردانید بایں متاخرین را یعنی علم آن کہ آباء و اجداد شریف آنحضرت ﷺ ہمہ بر دیں توحید و اسلام بودہ اند و از کلام متقدمین لائح میگردو کلمات بر خلاف آن"۔ مجھے قسم ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کے آباو اجداد کو توحید اور اسلام پر ہونے کے علم کو متاخرین علماء کے ساتھ مختص کر دیا ہے۔ جب کہ متقدمین علماء کے کلام میں اس مسئلہ کے خلاف کلمات ظاہر ہوئے ہیں"۔(اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ شیخ عبد الحق محدث دہلوی)۔ گویا کہ نبی علیہ السلام کے آباء کے ایمان کے علم کو اللہ تعالیٰ نے متقدمین پر ایک گونہ پوشیدہ و مستور کر دیا تھا جب کہ متاخرین پر اس کو منکشف فرما دیا۔

اب اگر کوئی شخص حضور ﷺ کے آباء کے ایمان کے خلاف آنے والی روایات کا سہارا لے کر انکا کفر بیان کرنا شروع کر دے تو یہ بات یقیناً حضور ﷺ کے لئے ایذاء اور دکھ کا سبب بنے گی اور اس سے اہل اسلام کی دل آزاری ہو گی۔ اہل علم نے اسی طرح جناب ابو طالب کیخلاف گفتگو کرنے کو حضور ﷺ اور آپ کی اولاد کی دل آزاری اور ناراضگی کا سبب بیان کیا ہے۔

سابق جسٹس شریعت کورٹ آف پاکستان حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی سیرت کی قومی ایوارڈ یافتہ کتاب ضیاء النبی میں جناب ابو طالب کے ایمان کو مضبوط دلائل سے ثابت کرنے کے بعد ان لوگوں کو نصیحت فرماتے ہیں جو عدم ایمان کا نظریہ رکھتے ہیں۔

"لیکن اگر کسی کے نزدیک دوسری روایات زیادہ قابل اعتبار ہوں تب بھی اسے آپ کے حق میں کوئی ناشائستہ بات کرنے سے احتراز کرنا چاہیئے۔ آپ کی بے نظیر خدمات کا یہ معاوضہ ہماری طرف سے نہیں دینا چاہیئے کہ ہم منبروں پر کھڑے ہو کر اپنا سارا زور بیان ان کو کافر ثابت کرنے اور کافر کہتے چلے جانے پر ہی صرف کرتے چلے رہیں۔ اس سے بڑھ کر ناشکری اور احسان فراموشی کی کوئی مثال پیش نہیں کی جاسکتی۔(ضیاء النبی جلد: دوم)

خطیب مذکور نے بر سر منبر ایک اختلافی مسئلہ کو بیان کرتے ہوئے جو محبوب رسول ﷺ اور ناصر الدین ہستی کی تکفیر کی ہے یہ عمل انتہائی قبیح، شر انگیز اور قابلِ مذمت ہے۔ خطیب مذکور نے اپنے اس عمل سے جو مسلمانوں کے مابین مذہبی انتشار اور فرقہ واریت کو ہوا دینے کی مذموم کوشش کی ہے اور ایک فتنہ بپا کیا ہے حالانکہ الفتنہ اشد من القتل، حکام وقت کو چاہیے کہ خطیب مذکور کے خلاف جلد از جلد قانونی کاروائی کرتے ہوئے ملک کو فتنہ و فساد اور افتراق و انتشار سے بچائیں۔ خطیب صاحب کو چاہیے کہ وہ اس عمل پر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بھی نادم و تائب ہوں اور جو مسلمانوں کی دل آزاری کی ہے اس پر اہل اسلام سے بھی معذرت خواہ ہوں۔

حررہ بقلم سید مصباح الحسن گیلانی
20-3-2021
فاضل جامعہ غوثیہ مہریہ گولڑہ شریف
فاضل تنظیم المدارس اہلسنت پاکستان
مفتی و مدرس جامعہ انوار الفرقان راولپنڈی

سید مصباح الحسن گیلانی